10

ہر فردِ جماعت اپنے آپ کو غیر معمولی قربانیوں کے لئے تیار کرے

(فرمودہ 9 مارچ 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"میں آج کا خطبہ تو ایک اَور اہم امر کے متعلق پڑھنا چاہتا تھا لیکن آج مجھے ایک خط ملا ہے اُس کی بناء پر میں اصل مضمون سے پہلے چند باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آج رات ہی مَیں نے اُن جلسوں کے متعلق خیالات کا اظہار کیا تھا جو یہاں احرار اور آریہ سماج کے ہوئے اور جن کے جواب ہماری جماعت نے اِسی مسجد میں دیئے ہیں۔ میں نے رات کو کہا تھا کہ قادیان کی آبادی ایک خاص رنگ اختیار کر رہی ہے۔ یہاں کچھ احمدی ہیں کچھ غیر احمدی۔ اور کچھ ہندو ہیں بعض حالات کی وجہ سے جن کی تفاصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں کے غیر احمدی قریباً احراری ہیں۔ اور یہاں کے ہندو قریباً آریہ سماجی ہیں۔ اور یہ دونوں گروہ ایسے ہیں کہ ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ ہمارے دلائل کو سُنیں گے اور ان سے متأثر ہوں گے خصوصاً ایسے موقع پر کہ جب جذبات اُبھرے ہوئے ہوں ایک غلط خیال ہے۔ باہر حالت بالکل اور ہے۔ باہر اکثر حصہ مسلمانوں کا اور اتنا کثیر حصہ کہ کوئی نسبت قائم کرنی بھی مشکل ہے احراری نہیں اور

معقول پسند شریف الطبع اور بات پر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور کرنے والا ہے۔ جب بھی کوئی معقول بات اس کے سامنے پیش کی جائے اُس پر غور کرتا ہے۔ مگر جو معاند بن کر سامنے کھڑا ہو اُس سے یہ امید رکھنا کہ اُس پر کسی نصیحت کا اثر ہوگا خصوصاً اشتعال کے موقع پر ایک بالکل غلط خیال ہے۔ اِسی طرح باہر کے آریہ سماجیوں کی حالت بھی بالکل مختلف ہے۔ ان میں بھی جہاں تک مجھے ان سے ملنے کا موقع ملا ہے شریف الطبع اور بات پر سنجیدگی سے غور کرنے والوں کی کثرت ہے اور وہ معقول بات پر غور کرتے ہیں۔ لیکن قادیان کے آریوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ ہمارے دلائل پر غور کریں گے صحیح نہیں۔ جیسے محاذِ جنگ پر جو سپاہی کھڑے ہوں وہ گولی چلانا ہی جانتے ہیں اِسی طرح یہ لوگ ہماری مخالفت میں ایسے بڑھے ہوئے ہیں کہ ان کے سامنے دلائل پیش کرنا چنداں مفید نہیں ہو سکتا۔ وہ خود بھی جب ہمارے خلاف تقریر کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر نہیں کرتے کہ ان کی تقریروں کو سن کر یہاں کے احمدی، احراری یا آریہ ہو جائیں گے بلکہ محض ہمیں اشتعال دلانے کے لئے کرتے ہیں اَور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تو ان کو غصہ تو دلائیں۔ اِسی طرح ہماری طرف سے ان کے جواب میں جو جلسے کئے جاتے ہیں اُن سے بھی وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ احمدی خواہ اپنی تقریروں میں کیسا نرم لہجہ کیوں نہ اختیار کریں اور نرمی سے کام کیوں نہ لیں۔ ہماری ترقی اور کامیابیوں کو دیکھ کر چونکہ ان کے دل جَلتے ہیں اس لئے وہ صرف غصہ میں آکر گالیاں دیتے ہیں۔ جیسا کہ قاعدہ ہے۔ پس ایسے موقع پر ہمارے جلسوں کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہو سکتا۔

پھر رات مَیں نے کہا تھا کہ ہمارے دوستوں کو خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ پروٹیسٹ (Protest) کرتے ہیں اور حکومت اِس پر توجہ کرے گی۔ ایسا خیال کرنے والے شاید سمجھتے ہیں کہ یہاں ابو بکرؓ اور عمرؓ کی حکومت ہے مگر یہاں ابو بکرؓ اور عمرؓ حکومت نہیں کرتے۔ بلکہ سیاسی لوگ کرتے ہیں اور سیاسی لوگ ہمیشہ اکثریت کا خیال رکھتے ہیں۔ امرتسر میں ہمارا جلسہ ہوا۔ وہاں کے انگریز ڈپٹی کمشنر نے پہلے اجازت دے دی مگر جب احرار نے فساد انگیزی شروع کی تو اس نے جلسہ کو روک دیا۔ حالانکہ اُسے کوئی مذہبی تعصب نہ تھا۔ ہمارے آدمی جب اُس سے ملے تو اس نے صاف کہا کہ میں اپنے ضلع میں فساد برداشت نہیں کر سکتا خواہ وہ

دوسروں کی طرف سے ہی پیدا ہو۔ تو افسر اکثریت کو ناراض کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ ہمارے دوستوں کا خیال ہے کہ قادیان میں ہماری اکثریت ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ قادیان کوئی ایسا جزیرہ نہیں جو دنیا سے الگ تھلگ ہو۔ یہ تو ضلع کے دو ہزار گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ یہاں ایک جگہ پر ہماری اکثریت اگر ہو بھی تو حکام اسے نہ دیکھیں گے بلکہ یہ دیکھیں گے کہ ارد گرد کے علاقہ میں کس کی کثرت ہے۔ اور چونکہ ارد گرد کے علاقہ میں ہماری اکثریت نہیں اِس لئے قادیان میں جو اکثریت ہے اس کی حکام کوئی پروا نہیں کرتے، اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے احمدیوں کی تائید کی تو تمام علاقہ میں جوش پیدا ہو جائے گا اور پھر اس کی وجہ سے ہمیں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اس لئے وہ سارا غصہ اقلیت پر نکالتے ہیں۔ ان حالات میں ہماری جماعت کی طرف سے پروٹیسٹ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اب تک ایسے پروٹیسٹوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ میں سمجھتا ہوں یہ بھی انگریزوں کی خوش قسمتی ہے کہ لوگوں کے قلوب میں ان کی نیک نامی اتنی جاگزیں ہے کہ ہماری جماعت متواتر بیس سال سے ان کی حکومت کے افسروں کی طرف سے سوتیلے پن کا سلوک دیکھنے کے باوجود یہی خیال کرتی ہے کہ وہ اس کے پروٹیسٹوں سے متأثر ہو جائیں گے۔ جب بیس سال سے حکام پر ہمارے کسی پروٹیسٹ کا اثر نہیں ہوا تو کیا اب کوئی نئے افسر آ گئے ہیں۔ جو وہ پروٹیسٹ سے متاثر ہو جائیں گے؟ بے شک بعض افسر زیادہ عقلمند اور انصاف سے زیادہ کام لینے والے بھی ہوتے ہیں مگر وہ سیاسیات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ان کو حکومت کی طرف سے قیامِ امن کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اور اگر وہ انصاف سے کام لیتے ہوئے امن قائم نہیں کر سکتے تو پھر وہ اقلّیت کو دبا کر امن قائم کرتے ہیں۔ اور مجھے حیرت ہوتی ہے جب ہمارے دوست گزشتہ سالہا سال کی تاریخ کو بھلا کر حکام کے پاس پروٹیسٹ کے لئے جاتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ بندۂ خدا! کس کے پاس پروٹیسٹ کرتے ہو اور اس پروٹیسٹ کا اثر کیا ہو سکتا ہے جبکہ تم اقلیت میں ہو۔ میں 1934ء سے جماعت کو یہ بتا رہا ہوں کہ تم چونکہ اقلیت میں ہو اس لئے تمہاری آواز کا حکام پر اثر نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ قادیان میں ہماری اکثریت ہے وہ بھی غلطی پر ہیں۔ قادیان کوئی الگ تھلگ جزیرہ نہیں بلکہ وسیع علاقہ کا ایک ٹکڑہ ہے۔ اس لئے جب تک ارد گرد ہماری اکثریت نہ ہو یہاں کی

اکثریت کا حکام پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

رات مَیں نے دوستوں کو توجہ دلائی تھی کہ ایسی فضول باتوں کا کوئی فائدہ نہیں اور ان میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔ معاندین کی گالیاں سن کر اگر واقعی کسی کو اشتعال آتا ہے، اگر غیرت آتی ہے، اگر واقعی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدر دل میں ہے تو اِس کے اظہار کا یہ طریق درست نہیں۔ بلکہ اس کا طریق دوسرا ہے۔ جب کسی کے بیٹے کو ٹائیفائیڈ ہو جاتا ہے تو وہ کس طرح بیس بیس دن اور مہینہ مہینہ دکان کو بند کر کے اور کاروبار ترک کر کے اُس کی تیمارداری میں لگ جاتا ہے۔ اسی طرح جسے گالیاں سن کر غصہ آتا ہے، اشتعال پیدا ہوتا ہے، اگر غیرت جوش میں آتی ہے تو چاہیے کہ وہ دفتر تبلیغ میں جائے اور کہے کہ میں نے قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں ملتی سنی ہیں جس سے مجھے بہت غصہ آیا ہے اس لئے میں پندرہ دن یا بیس دن تبلیغ کے لئے دیتا ہوں۔ اگر قادیان کے احمدی یہ طریق اختیار کریں تو اس سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ قادیان میں دس ہزار احمدی ہیں اگر ان میں سے دو ہزار بھی تبلیغ کے لئے پندرہ پندرہ دن دیں تو یہ تیس ہزار بنتے ہیں۔ سال کے 360 دن ہوتے ہیں اور اس کے یہ معنے ہوں گے کہ گویا دس آدمی روزانہ تبلیغ میں لگے رہیں گے دس نہیں تو نو ہی سہی، اور اس طرح سلسلہ کو مفت کے نو مبلغ مل سکتے ہیں۔ اور ایسے نو آدمی جن کے دلوں پر زخم ہوں۔ جن کی غیرت جوش میں آئی ہوئی ہو وہ تو پہاڑوں کو گرا سکتے ہیں۔ پس یہ طریق درست نہیں کہ مسجد میں جمع ہوئے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے نعرے لگاتے رہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ تو روزانہ اذان دیتے ہوئے پانچ بار مسلمان کرتے ہیں پھر اس سے کتنے لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ پس مسجد میں جمع ہو کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے نعرے لگانا اور ''زندہ باد'' کا شور مچانا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ یہ تو عورتوں کی گریہ وزاری سا طریق ہے۔ جب تم اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے نعرے لگاتے ہو تو ان کے پیچھے کوئی طاقت نہیں ہوتی اور یہ بالکل ایسی ہی بات ہوتی ہے جیسے بچے جمع ہو کر ہا ہُو کرتے اور شور مچاتے پھرتے ہیں۔ صحیح طریق یہی ہے کہ ارد گرد کے علاقہ کو احمدی کر لو۔ پھر اگر آج کے حکام کی نسبت بہت زیادہ بدتر حکام بھی آئیں گے تو وہ یہی کہیں گے کہ جماعت احمدیہ ہرگز ظلم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ

سارے علاقہ میں ان کی اکثریت ہے اس لئے ان کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔ پس یہ صحیح طریق ہے جو ہمارے دوستوں کو اختیار کرنا چاہیے۔ رات مَیں نے اس طرف توجہ دلائی تھی اور میں سمجھتا تھا یہ کافی ہے مگر آج صبح مجھے وہ خط ملا جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور وہ بھی میرے ان خیالات کی تصدیق میں ہے۔

ایک دوست نے لکھا ہے کہ وہ ریل میں ایک سرکاری افسر کے ہم سفر تھے جو پہلے سے ان کا واقف تھا۔ انہوں نے اُس افسر سے کہا کہ دیکھئے احمدیوں پر یہ کتنا ظلم ہے کہ ان کے صدر مقام میں ان کو گالیاں دی گئی ہیں۔ مگر اُس افسر نے کہا کہ احمدیوں کو کوئی گالیاں نہیں دی گئیں۔ میں نے سنا ہے کہ گالیاں احمدی دیتے ہیں۔ مثلاً احمدی لیکھو کہتے ہیں، مرزا صاحب کو کرشن جی کا مثیل کہا جاتا ہے، باوانانک علیہ الرحمۃ کو مسلمان کہا جاتا ہے اور احمدیوں کے جلسہ میں لاؤڈ سپیکر مینار پر لگایا گیا۔ اُس دوست نے کہالاؤڈ سپیکر تو احراریوں نے اور آریوں نے بھی لگایا ہوًا تھا۔ تو اُس افسر نے کہا کہ تمہارالاؤڈ سپیکر زیادہ طاقتور تھا۔ اب دیکھ لو یہ ایک ایسے افسر کے اعتراض ہیں جس کا کام انصاف قائم کرنا ہے۔ اور یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر لوگ انہیں سنیں تو یا تو وہ کہیں گے کہ یہ ایک سرکاری افسر پر الزام ہے اور یا یہ کہیں گے کہ یہ بھی عجیب افسر ہے جو یکطرفہ رائے قائم کر رہا ہے۔ اور سوال یہ ہے کہ جب موقع کے افسروں کی یہ رائے ہو تو افسرانِ بالا کی کیارائے ہو گی جو خود موقع پر موجود نہ تھے اور جو ماتحت افسروں کی رپورٹوں کی بناء پر ہی رائے قائم کرتے ہیں۔ اس ضلع کے ڈپٹی کمشنر مجھے مل چکے ہیں اور سلسلہ کے افسر بھی اُن سے کئی بار ملے ہیں اور ان کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ بہت ذہین آدمی ہیں۔ مگر انگریز حکام عام طور پر اِس ذہنیت کے ہوتے ہیں جسے انگریزی میں Least Resistance کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کم سے کم جھگڑوں میں ڈالنا چاہتے ہیں اور بالعموم اپنے ماتحت افسروں کی بات کو درست سمجھتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ تو سرکاری افسر ہے اس لئے بے تعلق آدمی ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہر افسر کا ایک اپنا مذہب بھی تو ہوتا ہے۔ انگریز افسر بے شک مذہب کے بارہ میں مساوات قائم رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اس لئے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستانی افسر بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یورپ کا عیسائی افسر تو اپنے مذہبی جذبات کو

دبا سکتا ہے مگر ہندوستان کا افسر بالعموم ایسا نہیں کر سکتا۔ یہاں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ مثلاً احرار کا جلسہ ہو رہا ہے اور ڈپٹی صاحب یا تھانیدار صاحب بیٹھے سر دھن رہے ہیں کہ کیا اچھی باتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ حالانکہ انہیں حکومت کی طرف سے قیامِ امن کے لئے وہاں بھیجا گیا ہوتا ہے مگر وہ اس منصب کو بھول جاتا اور سمجھتا ہے کہ میرے پیر صاحب یا میرے بزرگ تقریر کر رہے ہیں۔ اور ایسا افسر جس قسم کی رپورٹ افسرانِ بالا کے پیش کرے گا وہ ظاہر ہے کہ کہاں تک صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر افسرانِ بالا ایسے افسروں کی رپورٹوں کو صحیح سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو افسر تھا اس کی رپورٹ کیونکر غلط ہو سکتی ہے۔ اور وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ بے شک وہ افسر تو تھا مگر آریہ تھا یا احراری تھا۔ ہندوستان کا افسر افسر کم ہوتا ہے اور آریہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ افسر کم ہوتا ہے اور سکھ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ افسر کم ہوتا ہے اور مسلمان زیادہ ہوتا ہے۔ ہاں انگریز افسر، افسر زیادہ اور عیسائی کم ہوتا ہے۔

انگریزوں کا کیریکٹر یہ ہے کہ وہ افسر زیادہ اور عیسائی کم ہوتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے تو اس کی ایک بہت ہی واضح مثال ہے۔ کیپٹن ڈگلس جب اس ضلع میں تبدیل ہو کر آئے تو اُن کا اپنا بیان ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے اس ضلع میں ایک شخص ہے جو حضرت عیسیٰ کی ہتک کرتا ہے اب تک کسی نے اسے پکڑا کیوں نہیں۔ مگر جب خود انہی کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقدمہ پیش ہوا تو اُن کی افسریت غالب آگئی اور عیسائیت دَب گئی۔ اور اب تک ہماری جماعت سے اُن کے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے مجھے شمس صاحب کا خط آیا تھا کہ وہ انہیں ملے اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے فلاں شخص نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں احمدیت کے متعلق بعض غلط باتیں درج کر دی ہیں۔ آپ مجھے وہ نوٹ کرا دیں میں ان کی تردید کروں گا۔ تو انگریز افسر، افسر زیادہ اور عیسائی کم ہوتا ہے۔ مگر ہندوستانی افسر، افسر کم اور آریہ زیادہ ہوتا ہے۔ افسر کم اور سکھ زیادہ ہوتا ہے۔ افسر کم اور مسلمان زیادہ ہوتا ہے۔ ایک غیر احمدی پولیس افسر اگر مولوی عطاء اللہ صاحب بخاری کی تقریر نوٹ کرنے کے لئے آتا ہے تو یہ کہنا کہ ایک افسر نے اس تقریر کے نوٹ لئے غلط بات ہوگی۔ کیونکہ نوٹ کرنے والا اُن کا ایک مرید یا عقیدت مند تھا۔ اور یہ گفتگو جو ایک احمدی دوست

سے ہوئی بتاتی ہے کہ ان سے ایک سرکاری افسر گفتگو نہیں کر رہا تھابلکہ ایک آریہ بول رہا تھا مگر مجبوری یہ ہے کہ وہ آریہ بیٹھا ہوا افسر کی کُرسی پر تھا اس لئے جب وہ کوئی رپورٹ دے گا تو بالا افسر اسے غلط نہیں کہیں گے۔ اور سمجھیں گے کہ یہ سرکاری افسر ہے اور اس لئے بے تعلق آدمی ہے اس کی رپورٹ کیونکر غلط ہو سکتی ہے۔ پھر اس افسر کے انصاف اور دیانت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے اس احمدی دوست سے کہا کہ اگر تمہارے مرزا کو لیکھو کہا جائے تو تم کیا محسوس کرو گے؟ اور جب اس احمدی دوست نے کہا کہ مجھے افسوس ہے آپ بد تہذیبی سے کام لے رہے ہیں تو اُس نے کہا کہ تم نے بھی تو کرشن کہا تھا۔ اور جب اس احمدی دوست نے جواب دیا کہ میں نے تو حضرت کرشن جی کہا تھا۔ تو اُس افسر نے کہا کہ اچھا میں بھی مرزا جی کہہ دیتا ہوں۔ اور کیا ہمارے دوست ایسے افسروں کے سامنے پروٹیسٹ کرتے ہیں؟ ایسے افسروں کے سامنے پروٹیسٹ کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ ایسے افسروں کے سامنے پروٹیسٹ جن پر کوئی اثر نہ ہو ذلّت اور خواری ہے۔ ☆ ایسے افسروں کے سامنے تو تم منتیں بھی کرو تو بھی کوئی شنوائی نہ ہو گی۔ بلکہ وہ تمہارے خلاف قدم اٹھانے کے لئے بہانے تلاش کرتے ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ایک دریا پر بھیڑیا پانی پی رہا تھا۔ اُس سے نیچے کی طرف بکری کا ایک بچہ بھی پانی پی رہا تھا۔ بھیڑیے کا دل چاہا کہ اسے کھا جائے۔ اُس نے اُسے ڈانٹ کر کہا کہ تم میرے پینے کا پانی گدلا کیوں کر رہے ہو اس بکری کے بچے نے کہا کہ حضور! آپ تو اوپر کی طرف ہیں آپ کی طرف سے پانی میری طرف آرہا ہے نہ کہ میری طرف سے آپ کی طرف جاتا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ اُس پر جھپٹا اور پنجہ مارتے ہوئے کہا کہ نالائق! آگے سے جواب دیتے ہو۔!!

مومن کا طریق یہ ہے کہ وہ طاقت کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے اس لئے ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ ایسے مواقع پر جلسے کرنے اور نعرے لگانے کی بجائے تبلیغ پر زور دیا کریں۔ اسی راستہ سے ہمیں پہلے کامیابی ہوئی ہے اور اسی سے آئندہ ہو گی۔ مجھے اس افسر کی اس

☆ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہہ دیتا ہوں کہ اگر آئندہ اس قسم کے کوئی مقدمات ہوں گے تو ان کا بوجھ جماعت پر نہیں ڈالا جائے گا۔

بات پر حیرت ہوتی ہے کہ چونکہ مرزا صاحب کو کرشن کا مثیل کہا جاتا ہے اس لئے کرشن کی ہتک کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت ہے جو عیسائی ہیں۔ جتنی دفعہ آپ کو ایک دن میں مسیح موعود کہا جاتا ہے شاید سال بھر میں اتنی دفعہ کرشن نہ کہا جاتا ہو گا۔ مگر انگریز کو کبھی اِس بات پر غصہ نہیں آیا اور کسی انگریز افسر نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک نہیں سمجھا۔ اور اسے ہتک سمجھنا دراصل غلام ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ اس میں ہتک کی کونسی بات ہے۔ کیا ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معمولی شان کا سمجھتے ہیں؟ ہم تو انہیں تمام مذاہب کا موعود یقین کرتے ہیں اور اس لئے ہم جب آپؑ کو حضرت کرشن کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں تو حضرت کرشن کی عزت کو بڑھاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت حاصل کرنے سے سب انبیاء جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے گزر چکے ہیں عزت پاتے ہیں۔ کیونکہ آپ موعود کُل اَدیان ہیں اور یہ انبیاء ایک ایک دین کے موعود تھے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مثیلِ کرشن ہونے کا اعلان 1904ء میں کیا تھا۔ اور اِس دعویٰ پر چالیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر یہ ہتک کا سوال پانچ سال قبل سے ہی کیوں پیدا ہوا ہے۔ پہلے 35 سال تک کیوں پیدا نہیں ہوا۔ اس کے صاف معنے یہ ہیں کہ یہ سیاسی اغراض کے ماتحت شور مچایا جاتا ہے۔

اور پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر یہ بات کسی عدالت میں گئی اور وہاں کسی احمدی نے یہ پیش کیا کہ ہندو لٹریچر میں حضرت کرشن کو خدانخواستہ چور وغیرہ کہا گیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مکھن چُرا لیا کرتے تھے اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان کے ساتھ مماثلت کو ان کی ہتک سمجھنے والے ان کی طرف ایسا گند منسوب کرتے ہیں اور ہم کو جو انہیں چور کہنے والوں کو چور اور خبیث سمجھتے ہیں ان کی ہتک کرنے والا کہا جاتا ہے۔ یہ ان کو چور کہہ کر پھر بھی ان کی عزت کرنے کے دعویدار ہیں۔ اور ہم جو انہیں پرہیز گار اور نیک یقین کرتے ہیں اِن کے خیال میں اُن کی ہتک کرنے والے ہیں۔ اگر کسی ایسی بات کے متعلق حکومت کی طرف سے کوئی ایسا مقدمہ چلایا گیا اور اس میں اس قسم کے تمام حوالے پیش کئے گئے تو اِس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ اگر کوئی آریہ ہم پر حضرت کرشن کی ہتک کا الزام لگاتا ہے تو وہ بھی غلطی کرتا ہے

کیونکہ آریہ تو خود ان کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق تو ویدوں کے بعد اور کوئی صداقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور الہام آ ہی نہیں سکتی۔ اگر کسی عدالت میں کوئی مقدمہ چلا اور آریوں کے اس عقیدہ کو احمدی زیر بحث لائے اور انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ آریہ ان کو کیا کہتے ہیں اور ہم کیا کہتے ہیں۔ ہم تو ان کو بنی نوع انسان کے لئے نمونہ اور استاد سمجھتے ہیں۔ اور ہم اس افسر کی شکل دیکھنا چاہتے ہیں جو اسے بھی ہتک قرار دیتا ہو۔ تو سوچو کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

ایک دفعہ یہاں سکھوں کے لیڈر بابا کھڑک سنگھ صاحب آئے۔ قادیان کے پاس ہی ایک جگہ سکھوں نے جلسہ کیا اور بابا صاحب نے اس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ گورونانک صاحبؒ کو مسلمان کہہ کر ان کی ہتک کی جاتی ہے۔ میں نے دوسرے دن ایک اشتہار شائع کرایا جس میں لکھا کہ ہم تو ان کو مسلمان کہتے ہیں مگر دوسرے مسلمان جو آپ کو ہمارے خلاف اُکساتے ہیں ان سے پوچھیں وہ ان کو کیا سمجھتے ہیں۔ وہ تو کافر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کی یہی دونوں اصطلاحیں ہیں۔ مسلمان یا کافر۔ اور جو کسی کو مسلمان نہیں سمجھتا وہ گویا اُسے کافر سمجھتا ہے۔ ہم تو بابا نانک صاحبؒ کو مسلمان یعنی نیک بزرگ اور خدا تعالیٰ کا برگزیدہ سمجھتے ہیں۔ مگر یہ لوگ انہیں کافر کہتے ہیں جس کے معنے ہیں جہنمی۔ پس آپ کو اُن پر غصہ کرنا چاہیے نہ کہ ہم پر۔ دوسرے دن میرے اشتہار کو پڑھنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ان لوگوں نے مجھے خواہ مخواہ ورغلایا۔ ہم تو باوانانک صاحبؒ کو مسلمان، متقی، پرہیز گار اور ولی اللہ سمجھتے ہیں۔ مگر جو مسلمان انہیں مسلمان نہیں سمجھتے وہ تو مجبور ہیں کہ انہیں کافر سمجھیں۔ اور اگر کسی عدالت کے سامنے یہ سوال آیا تو لازماً ایک فریق غیر احمدی علماء کو پیش کرنے کا مطالبہ کرے گا اور پوچھے گا کہ وہ باوانانک صاحبؒ کو کیا سمجھتے ہیں۔ اور پھر پوچھے گا کہ حکومت اور سکھ کیا پسند کرتے ہیں۔ یہ کہ باوانانک صاحبؒ کو خدا کا برگزیدہ اور ولی اللہ کہا جائے یا نعوذ باللہ کافر۔ پھر یہ بات بھی کوئی نئی نہیں۔ 45، 46 سال پہلے یہ بات لکھی گئی تھی آج اس پر کسی کو اشتعال آنے کے کوئی معنے نہیں۔ میں نے تو دیکھا ہے کہ عقلمند سکھ اس بات کو سن کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ یہ تو کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں کہ باوانانک صاحبؒ مسلمان تھے مگر اِس بات کو

وہ مانتے ہیں کہ ہم انہیں مسلمان کہہ کر اپنے نزدیک ان کی عزت کرتے ہیں۔

یہ جو باتیں ہیں مجھے علم نہیں کہ یہ ہمارے جلسوں میں کہی بھی گئی ہیں یا نہیں۔ یہ تو میں اُس افسر کے بیان کا ذکر کر رہا ہوں کہ اُس نے یہ یہ باتیں کہیں۔ ورنہ مجھے یہ علم نہیں کہ ان جلسوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مثیلِ کرشن کہا گیا یا نہیں۔ اور باوانانک صاحبؒ کو مسلمان کہا گیا یا نہیں۔ اور لیکھرام کو لیکھو کہا گیا یا نہیں۔ لیکن اگر کہا بھی گیا ہو تو اُن گالیوں کے مقابلے میں جو اس شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیں یہ لفظ کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اگرچہ میری تعلیم یہی ہے کہ نرمی سے کام لینا چاہیے اور ہمارے دوست اس رنگ میں نام نہ لیا کریں۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لیا ہے تو اُن کا مقام اَور ہے اور ہمارا اَور ہے۔ وہ جج کے مقام پر تھے اور ہم لوگ اس مقام پر نہیں ہیں۔ لیکن اگر کسی نے کہہ بھی دیا ہو تو اُن گالیوں کے مقابلہ میں جو اس شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دیں اور حضرت مسیح موعو علیہ السلام کو دیں یہ لفظ کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اگر کوئی موقع آیا تو یہ سب گالیاں دنیا کے سامنے پیش کی جائیں گی اور ہر شخص دیکھ لے گا کہ اگر کسی احمدی نے لیکھو کہہ بھی دیا تو یہ تو اُس کی گالیوں کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ 999 حصے تو سارے کے سارے بے جواب باقی ہیں۔

باقی رہا اس افسر کا یہ کہنا کہ اگر مرزا صاحب کو لیکھو کہا جائے تو احمدی کیا کہیں گے؟ تو مَیں اس کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو الہام ہوتا ہے۔ اگر آریہ سماجی اعلان کر دیں کہ لیکھرام کو بھی الہام ہوتا تھا اور کہ وید کا الہام آخری الہام نہیں تو گو ہم یہ کہیں گے کہ اُن کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ لیکھرام کو الہام ہوتا تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اُن کے لیکھو کہنے کو ہم آپ کی ہتک نہیں سمجھیں گے۔

آخری بات لاؤڈ سپیکر کی ہے۔ پانچ سال سے معاندینِ سلسلہ بازاروں اور گلیوں میں لاؤڈ سپیکر لگا کر جماعت احمدیہ اور اِس کے بزرگوں کو گالیاں دیتے چلے آرہے ہیں اور ہم نے بارہا حکام کو توجہ دلائی ہے کہ اس سلسلہ کو روکا جائے۔ ڈپٹی کمشنر تک ہی نہیں بلکہ کمشنر کے پاس

بھی ہمارا ایک وفد گیا اور مسٹر کنگ سے یہ بات کہی کہ اس سلسلہ کو روکا جائے اس سے احمدیوں کی سخت دلآزاری ہوتی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ اگر یہ سلسلہ بند نہ ہوا تو ہم بھی لاؤڈ سپیکر لگا کر ان کا جواب دیں گے۔ یہ بات سن کر مسٹر کنگ بہت ہنسے اور کہا کہ اچھی بات ہے جب وہ لوگ لگاتے ہیں تو آپ بھی اگر لگائیں گے تو کسی کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور یہ سوال بھی اگر گورنمنٹ نے اٹھایا تو جماعت احمدیہ ان سرکاری افسروں کو بطور گواہ بلوائے گی اور ثابت کرے گی کہ ہم نے پانچ سال متواتر صبر کرنے کے بعد ایسا کیا ہے۔ اور اگر کسی عدالت میں یہ سوال پیش ہوا اور اُس نے کسی قانونی روک کی وجہ سے ان افسروں کو بطور گواہ طلب کرنے سے انکار کیا تو ہم اشتہاروں کے ذریعہ ان افسروں سے اِس کا جواب دریافت کریں گے۔ اور اگر وہ جواب نہ دیں گے تو دنیا کے سامنے بات واضح ہو جائے گی اور اس صورت میں بھی فتح ہماری ہی ہوگی۔

بہر حال مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ باتیں جو اس افسر نے بیان کیں وہ ہمارے جلسوں میں کہی گئیں یا نہیں یا کس رنگ میں کہی گئیں۔ مجھے جو خط ملا ہے اس میں اس افسر کے جو اعتراض نکلے ہیں میں نے ان کے بارہ میں یہ باتیں کہہ دی ہیں اور ایک بار پھر جماعت کے دوستوں سے کہتا ہوں کہ صحیح طریق یہی ہے کہ وہ تبلیغ کو وسیع کریں۔ باہر سے جو لوگ ہمیں گالیاں ہی دینے کے لئے آتے ہیں اُن پر ہماری تقریروں کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا اس لئے جن کو مخالفوں کی گالیاں سن کر غصہ آئے اور غیرت جوش مارے وہ تبلیغ کے لئے اپنا کچھ وقت وقف کریں اور اردگرد کے دیہات میں جا کر تبلیغ کریں جو مولوی اور پنڈت صاحبان یہاں آتے ہی اِس لئے ہیں کہ ہمیں غصہ دلائیں اُن پر ہماری تبلیغ کا اثر کیا ہو سکتا ہے۔ اور جب اثر نہیں ہو سکتا تو پھر یونہی گلا پھاڑنے کا کیا فائدہ۔ مومن کو جب علم ہو جائے کہ اس کی تبلیغ کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تو وہ پھر وہاں تبلیغ نہیں کرتا کیونکہ وہاں تو تبلیغ کرنا ایک لغو فعل ہو جاتا ہے اور مومن لغو فعل نہیں کیا کرتا۔

اس کے بعد اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ انگریزی میں زیرو آور (Zero Hour) ایک محاورہ ہے جو کچھ عرصہ سے جنگی اور فوجی کارروائیوں میں استعمال ہوتا

ہے۔ جب فوجی تیاری کرتے کرتے یعنی حملہ کر دینے کا وقت آجائے تو اسے zero hour کہتے ہیں۔ مثلاً اتحادی فوج، جرمن فوج کے مقابل کھڑی ہے اور اس پر حملہ کرنے کی زبردست تیاریاں کر رہی ہے۔ جب اس کی تمام تیاریاں پوری ہو جائیں، وہ گولہ بارود کا کافی سٹاک مہیا کر لے، کافی ہوائی طاقت جمع کر لے، ٹینک اور توپیں وغیرہ اچھی طرح درست کر لے اور جرمن فوج پر حملہ کا وقت آجائے تو اسے zero hour کہا جائے گا اور انگریزی اخبار لکھیں گے کہ حملہ کا zero hour آگیا ہے۔ میں بھی جماعت کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ الٰہی سامانوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے لئے zero hour آپہنچا ہے۔ قدم قدم پر بعض ایسے واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب ہمیں اپنا سب کچھ تبلیغ میں لگا دینا ہو گا۔ اور جماعت کے ہر فرد کے لئے لازم ہے کہ اُس وقت کے لئے تیاری کرے۔ میں نے پہلے کئی دفعہ کہا ہے کہ جب وہ وقت آئے گا میں اطلاع دوں گا۔ سو میں اطلاع دیتا ہوں کہ یا وہ وقت آگیا ہے یا آنے والا ہے اور اس لئے بھی میں نے یہ نصیحت کی ہے کہ دوستوں کو بے فائدہ باتوں پر وقت نہ ضائع کرنا چاہیے۔ یہ بالکل معمولی اور مقامی باتیں ہیں۔ تم نے ایک وسیع تبلیغی حملہ کرنا ہے۔ دشمن تمہیں مقامی باتوں میں اُلجھانا چاہتے ہیں مگر تمہیں ان میں نہ الجھنا چاہیے۔ تمہارا ایسی باتوں میں اُلجھ جانا دشمن کی فتح ہے اور کوئی نادان ہی اپنے ہاتھ سے دشمن کی فتح کا سامان دے سکتا ہے۔

اِس جلسہ سالانہ کے بعد ایسے جلدی جلدی حالات بدل رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے وہ وقت جبکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ زور سے تبلیغ کی جائے اور چاروں طرف تبلیغ کے کام کو وسیع کر دیا جائے وہ اب بالکل قریب آگیا ہے۔ اور ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ہمارے لئے zero hour آنے والا ہے یا آچکا ہے۔ جلسہ سالانہ کے بعد حیرت انگیز طور پر اور بڑی سرعت کے ساتھ ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں جو پہلے سال سال میں نہیں ہوتے تھے۔ اور وہ باتیں جو پہلے سال سال میں بھی نہ ہوتی تھیں وہ ان دو ماہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہونے لگی ہیں۔

(الف) اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مَیں نے 12 جنوری 1945ء کو

اِسی سٹیج پر ایک خطبہ پڑھا تھا جس میں انگلستان اور ہندوستان دونوں کو نصیحت کی تھی کہ دونوں اپنے سابقہ اختلافات کو بُھلا کر باہم سمجھوتہ کرنے کی کوشش کریں۔ مَیں نے انگلستان کو نصیحت کی تھی کہ "اے انگلستان! تیرا فائدہ ہندوستان سے صلح کرنے میں ہے۔ خدا تعالیٰ کا منشاء یہی ہے کہ تم دونوں مل کر کام کرو اور دونوں مل کر دنیا میں امن قائم کرو"۔ پھر میں نے کہا تھا کہ "میں انگلستان کو دعوت دیتا ہوں کہ آؤ اور ہندوستان سے صلح کر لو"۔ اور پھر میں نے ہندوستان کو بھی نصیحت کی تھی کہ "وہ بھی انگلستان کے ساتھ اپنے پرانے اختلافات کو بُھلا دے۔" اور میں نے کہا تھا کہ "میں ہندوستان کو دعوت دیتا ہوں کہ جاؤ انگلستان سے صلح کر لو۔" اور پھر میں نے کہا تھا کہ "میں ہندوستان کی ہر قوم کو دعوت دیتا ہوں کہ آپس میں صلح کر لو۔" پھر میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ "میری آواز کا نہ ہندوستان پر اثر ہو سکتا ہے اور نہ انگلستان پر اثر ہو سکتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ میری یہ نصیحت ہوا میں اُڑ جائے مگر اب تو ہوا میں اُڑنے والی آواز کو بھی پکڑنے کے سامان پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ ریڈیو ہوا میں سے ہی آواز کو پکڑنے کا آلہ ہے۔ پس مجھے اس صورت میں اپنی آواز کے ہوا میں اُڑ جانے کا بھی کیا خوف ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ہوا میں اڑنے والی آواز کو بھی لوگوں کے کانوں تک پہنچا دے۔" اور اب دیکھ لو! اللہ تعالیٰ نے ایک قلیل عرصہ کے اندر ہی کس طرح اُس آواز کے بلند ہونے کے سامان بہم پہنچا دیئے۔ انگلستان میں کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں چودھری سر ظفر اللہ خان صاحب ہندوستانی ڈیلیگیشن (Delegation) کے لیڈر بنا کر بھیجے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں میری اس آواز کو وہاں بلند کرنے کی توفیق دی۔ اور اب یہی آواز کہ برطانیہ کو چاہیے ہندوستان کو آزاد کر دے اور اس سے صلح کر لے سارے انگلستان میں بلند ہو رہی ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے ہم اس آواز کو انگلستان میں بلند کر سکتے۔ ہم تو دس سال میں بھی ایسا نہ کر سکتے تھے۔ مگر دیکھو اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل ہے کہ اِدھر میں نے یہ اعلان کیا اور اُدھر چودھری صاحب کو جلدی ہی انگلستان جانا پڑا اور انہوں نے وہاں جاتے ہی اس آواز کو بلند کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سعادت کے لئے منتخب کر لیا کہ وہ انگلستان میں میری اس آواز کو بلند کر سکیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں نے اُس خطبہ میں کہا تھا کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جسے کوئی رسوخ حاصل ہو اور وہ اس سے کام لے کر صلح کرانے کی کوشش کرے۔ جو کوئی اس کام میں ہاتھ ڈالے گا میری دعائیں اُس کے ساتھ ہوں گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا وارث ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے چودھری صاحب کو میری یہ آواز انگلستان میں بلند کرنے کی توفیق دی اور انہوں نے اسے ایسے رنگ میں پیش کیا کہ نہ صرف انگلستان بلکہ امریکن اخبارات میں بھی یہی آواز بلند ہو رہی ہے۔ حتّٰی کہ ٹائمز جیسے وقیع اخبار نے بھی اس کی تائید میں نوٹ لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ چودھری صاحب کی آواز کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اور اب ہندوستان میں بھی یہی آواز اٹھنے لگی ہے۔ اسمبلی میں کئی ممبروں نے تقریریں کی ہیں کہ چودھری صاحب کی یہ آواز ان کی اکیلی آواز نہیں بلکہ یہ سارے ہندوستان کی آواز ہے۔ حال میں تاجروں کی سب سے بڑی ایسوسی ایشن نے بھی اپنے اجلاس میں اعلان کیا ہے کہ یہ آواز اکیلے ظفر اللہ خاں کی آواز نہیں بلکہ ہم تاجر سَو فیصدی ان کی اس آواز میں ان کے شریک ہیں۔ تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے جلد سے جلد ایک پسماندہ صوبہ کے ایک گوشہ کے قصبہ سے اُٹھی ہوئی آواز کو پکڑ کر ریڈیو اور تاروں کے ذریعہ سے ساری دنیا میں پھیلا دیا۔

جماعت کے دوسرے دوستوں کو چاہیے کہ اس آواز کے دوسرے حصہ کو بھی بلند کریں۔ اس آواز کے دو حصے تھے۔ ایک تو انگلستان کے لئے نصیحت تھی کہ وہ ہندوستان کو آزادی دے دے اور اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے اور دوسرے حصہ میں ہندوستان کو میں نے دعوت دی تھی کہ وہ انگلستان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے اور پرانے اختلافات کو بُھلا کر اس سے صلح کر لے۔ میری اس آواز کے دوسرے حصہ کو اب ہندوستان میں بلند کرنے کی کوشش جماعت کے دوسرے دوستوں کو کرنی چاہیے۔ اور تمام ملک میں اس آواز کو پوری طرح پہنچانا چاہیے۔ کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے انگلستان کے ساتھ لڑنا جھگڑنا ہندوستان کے لئے فائدہ کا موجب نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان اگر آزاد زندگی کا متمنی ہے تو ضروری ہے کہ وہ انگلستان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو بعد میں اسے پچھتانا پڑے گا اور

آئندہ نسلیں اپنے باپ دادوں پر لعنتیں کریں گی۔ اور یہ ملک غلامی کی ایسی زنجیروں میں جکڑا جائے گا کہ سینکڑوں سالوں کی قربانیاں بھی اس سے رہائی کے لئے کافی نہ ہوں گی۔

پس میں اپنی اس آواز کے جو میں نے 12 جنوری 1945ء کو بلند کی تھی دوسرے حصہ کی طرف دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور انہوں نے اس کے پہلے حصہ کو انگلستان میں بلند کیا۔ پنجاب، بنگال، بمبئی، مدراس، یوپی، سی پی، اڑیسہ، بہار، صوبہ سرحد، صوبہ سندھ اور ریاستوں کے احمدیوں کو چاہیے کہ وہ میری اِس آواز کے دوسرے حصہ کو اب ہندوستان میں ہر جگہ بلند کریں کہ ہندوستان کو چاہیے انگلستان کے ساتھ صلح کرلے۔ انگلستان کا پچھلا سلوک ہندوستان کے ساتھ اچھا تھا یا بُرا ہندوستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ اُسے بُھول جائے اور آپس میں صلح کر کے دونوں ایک مشترکہ محاذ قائم کریں کہ انسانیت اور حُریت پر کوئی ضَرب نہ لگ سکے۔ اور وہ دونوں مل کر دنیا میں آزادی، حُریت اور امن قائم کر سکیں۔

(ب) دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ میں نے جلسہ سالانہ سے قبل اور جلسہ پر بھی دوستوں کو توجہ دلائی تھی کہ ہمیں کمیونسٹ تحریک کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد 17 فروری کے قریب میں نے خواب دیکھا کہ "اخبار انقلاب" لاہور کا ایک پرچہ میرے ہاتھ میں ہے۔ میں اسے پڑھتا ہوں۔ اس کے ایک صفحہ پر میری نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ کچھ سطریں لکھی ہوئی ہیں۔ پھر کچھ سطریں اُڑی ہوئی ہیں اور پھر ڈیڑھ سطر لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد پھر کچھ سطریں اُڑی ہوئی ہیں۔ جس طرح کسی مضمون کے بعض حصے سنسر نے کاٹ دیئے ہوں۔ درمیان میں جو سطر لکھی ہے میں اسے پڑھتا ہوں تو اُس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "امام جماعت احمدیہ نے پنجاب یونیورسٹی کا انٹرنس کا امتحان پاس کر لیا ہے۔" یہ خبر پڑھ کر مجھے اپنے نفس پر بہت غصہ آیا اور میں نے دل میں کہا کہ میں نے یہ امتحان کیوں دیا۔ جب مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنا علم دیا ہے اور اتنا بلند مقام عطا کیا ہے تو مجھے انٹرنس(Entrance) کا امتحان دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اور میں نے یہ امتحان کیوں دیا۔ ایک دو منٹ کے بعد میری یہ غصہ اور انقباض کی حالت دور ہوئی تو میں نے خیال کیا کہ میں نے جب یہ امتحان دیا ہے

تو یہ کوئی بے ہودہ حرکت نہیں کی اس میں بھی ضرور اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت مخفی ہو گی۔ اور پھر میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ جب انٹرنس کا امتحان پاس کیا ہے تو اب بی اے کا امتحان بھی دے دوں۔ پھر مجھے خیال آتا ہے کہ بی اے کا امتحان تو ایف اے کا امتحان پاس کئے بغیر نہیں دیا جا سکتا۔ مگر خود ہی دل میں کہتا ہوں کہ یونیورسٹی مجھے بی اے کا امتحان دینے کی اجازت دے دے گی۔

میں نے یہ خواب دیکھا اور حیران تھا کہ یہ کیا بات ہے۔ دوسرے تیسرے روز جب میں مسجد میں اپنے بعض رؤیا بیان کرنے لگا تو یہ رؤیا مجھے بھول گئی۔ یہ یاد تھا کہ ایک اَور اہم رؤیا ہے مگر دوسرے رؤیا بیان کرتے کرتے یہ بھول گئی۔ اب جو لاہور میں کمیونزم کے متعلق میرا لیکچر ہوا تو اس کے بعد ایک دن اخبار دیکھتے ہوئے امتحان کا لفظ جو سامنے آیا تو معاً یہ رؤیا یاد آگئی اور ساتھ ہی اس کی تعبیر بھی سمجھ میں آگئی۔ انٹرنس کے معنے ہیں دروازہ کے۔ کسی بڑی جلسہ گاہ یا تماشہ گاہ کے بڑے دروازہ کو انٹرنس کہتے ہیں۔ اور میں نے کمیونزم کے متعلق جو لیکچر دیا اس میں پنجاب یونیورسٹی کے طلباء اور پروفیسر کثرت سے شامل ہوئے۔ اور اس طرح ہم گویا پنجاب یونیورسٹی کے علمی حلقوں میں داخلہ میں کامیاب ہو گئے اور اپنے خیالات کامیابی سے ان تک پہنچا دیئے۔ بہت سے طالب علم اور پروفیسر میری اس تقریر کے نوٹ لیتے رہے اور بعض لوگوں نے سنایا کہ ایک پروفیسر پر تو اتنا اثر ہوا کہ وہ رو پڑا اور تمام کالجوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ بعد میں پروفیسر اور طلباء آ آ کر ملتے رہے۔ اور بعض طالب علموں نے سنایا کہ بعض چوٹی کے پروفیسروں نے معذرتیں کیں اور اِس امر پر افسوس کیا کہ وہ بعض دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے لیکچر نہ سن سکے۔ اور اس طرح میری وہ رؤیا پوری ہو گئی کہ "امام جماعت احمدیہ نے پنجاب یونیورسٹی کا انٹرنس کا امتحان پاس کر لیا۔" اور رؤیا کا یہ حصہ جو ہے کہ میں کہتا ہوں اب بی اے کا امتحان بھی دے دوں تو اس میں اِس طرف اشارہ ہے کہ اگر ہم اس کوشش کو جاری رکھیں کہ تعلیم یافتہ طبقہ پر سے کمیونزم کا اثر دور ہو جائے تو اس میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے ایک اَور لیکچر کمیونزم اور مذہب کے موضوع پر دینے کا ارادہ کیا ہے۔ اور ایک رات بیٹھ کر اس کے نوٹ بھی لکھ لئے ہیں۔ پہلا

مضمون تو "اسلام کا اقتصادی نظام بہ نظر کمیونزم" تھا۔ مگر دوسرا لیکچر "کمیونزم اور مذہب" کے موضوع پر دینے کا ہے۔ اس کے نوٹ لکھ لئے گئے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو قریب عرصہ میں ہی یعنی دو تین ماہ تک لاہور میں یہ دوسرا لیکچر بھی ہو گا۔ پہلا لیکچر اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیر معمولی طور کامیاب ہوا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اسے سمجھنے اور یاد کرنے کا خاص جوش اور رغبت پیدا ہو گئی۔ بیسیوں تعلیم یافتہ اصحاب نے بہ اصرار کہا کہ یہ لیکچر بہت جلد شائع ہونا چاہیے۔ اسے بہت سے اعلیٰ سرکاری حکام، پروفیسران، وکلاء، بیرسٹران اور رؤساء نے بڑے شوق سے سنا اور اپنے اپنے حلقوں میں اسے پھیلایا۔ یہ جو دیکھا کہ یہ خبر "انقلاب" میں شائع ہوئی ہے اِس سے اِس طرف اشارہ ہے کہ انشاء اللہ یہ لیکچر خیالات میں انقلاب پیدا کرنے کا موجب ہو گا۔

(ج) تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ کے نئے نئے راستے خود بخود کھل رہے ہیں۔ مثلاً ان دو ماہ میں سلسلہ کی تبلیغ اتنی اوپر پہنچ گئی ہے کہ پچھلے سارے سال میں جتنے احمدی ہوئے تھے اس سال جنوری فروری صرف دو مہینوں میں اُس کے نصف سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی حالت قائم رہے تو پچھلے سال کی نسبت چار گنے سے بھی زیادہ کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔

(د) پھر ان دو ماہ میں ایک عجیب بات یہ ہوئی ہے کہ عورتوں کے طبقہ میں حیرت انگیز طور پر تبلیغی رستہ کھلا ہے۔ اور ان دو ماہ میں مسلمانوں کے ایک چوٹی کے خاندان کی جسے تمام ہندوستان میں علمی اور تجارتی رُعب حاصل ہے ایک خاتون احمدی ہوئی ہیں۔ پھر ایک اَور خاتون جو انگریز ہیں اور انگلستان کے ایک ڈیوک (Duke) کی رشتہ دار اور ہندوستان کے ایک بہت بڑے انگریز افسر کی بیوی ہیں مسلمان ہوئی ہیں اور بیعت کی ہے۔ جو ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مثال ہے۔

(ہ) انہی دو ماہ میں دو نواب خاندانوں کے افراد نے بیعت قبول کی ہے۔

(و) ہماری تبلیغ کا رُخ زیادہ تر اسلامی ممالک کی طرف ہے۔ گو ہم مغربی ممالک میں بھی تبلیغ کرتے ہیں مگر زیادہ خیال ہمیں اسلامی ممالک کا ہی ہے۔ کیونکہ ان کا حق ہم پر بہت زیادہ ہے۔

ان ممالک میں احمدیت کی ترقی کے سامان اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہونے لگے ہیں۔ اٹلی کی حکومت میں لیبیا کا ایک علاقہ تھا جسے تھوڑا عرصہ ہوا اتحادیوں نے فتح کر لیا ہے۔ یہ علاقہ مصر کے ساتھ لگتا ہے۔ اور وہاں بہت عرصہ تک اُسی طرح لڑائی ہوتی رہی ہے جیسا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رؤیا میں دکھایا تھا۔ اس علاقہ کا ایک مشہور شہر بن غازی ہے جس کا ذکر بار بار خبروں میں آتا رہا ہے۔ اس علاقہ کے ایک حصہ کا صدر مقام طبروق اور دوسرے حصہ کا بن غازی ہے۔ اور یہ شہر لڑائی کا گویا ایک بیس (Base) تھا۔ بن غازی اس لئے بھی زیادہ مشہور ہے کہ دینی تحریک یہاں طبروق کی نسبت زیادہ زبردست ہے۔ جیسے مثلاً ہندوستان میں دیوبند وغیرہ مقام ہیں۔ بن غازی کے چیف امام جو عرب ممالک کی آزادی کی تحریک کے ایک لیڈر بھی تھے اور اس وجہ سے اٹلی کی حکومت ان کی مخالف تھی اور انہیں اطالوی حکام نے اٹلی کے کسی مقام پر قید کر رکھا تھا اطالوی حکومت نے ان کو جنگ کا تمام عرصہ قید رکھا اور واپس اپنے ملک میں نہ آنے دیا کیونکہ وہ ڈرتی تھی کہ وہ ملک کو آزادی کی تحریک کی طرف لائیں گے۔ امریکنوں اور انگریزوں کے داخلہ پر وہ آزاد ہوئے ہیں۔ چند روز ہوئے ان کی بیعت کا خط اٹلی سے آیا ہے۔ یہ بیعت گو ہے تو جلسہ سالانہ سے پہلے کی مگر چونکہ خط ملا بعد میں ہے اس لئے اِنہی دو ماہ میں اس کا شمار ہو گا۔ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان علاقوں میں تبلیغ کا ایک نیا رستہ کھول دیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ میری ہمشیرہ مبارکہ بیگم صاحبہ ان دنوں بیمار ہیں۔ کل میں ان سے ملنے گیا تو اُن کو اِس بات کا کوئی علم نہ تھا۔ میرے وہاں پہنچتے ہی اُنہوں نے کہا کہ جب سے نواب صاحب فوت ہوئے ہیں میں نے اُن کو خواب میں نہ دیکھا تھا۔ آج رات پہلی دفعہ میں نے اُنہیں خواب میں دیکھا ہے۔ اور انہوں نے جو خواب سنایا وہ بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ نواب صاحب مرحوم اپنے خاندان کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب میں بیمار تھا تو بیماری کی حالت میں بھی ان کو تبلیغ کرتا رہا اور جب میری زبان بند ہو گئی تو میں اشاروں سے اُن کو تبلیغ کرتا رہا۔ یہ بات کہتے کہتے آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا کہ بڑی خوشی کی خبر آئی ہے۔ بڑی خوشی کی خبر آئی ہے۔ مصر اور لیبیا وغیرہ عربی ممالک میں احمدیت خوب پھیل گئی ہے۔ یہاں تک کہ اب الفضل کا ایک عربی ایڈیشن بھی شائع ہونے لگا ہے اور عربی ممالک کے

بادشاہ اور بڑے بڑے لوگوں کو اُس وقت تک چین نہیں آتا تھا جب تک کہ وہ اسے پڑھ نہ لیں۔ تو ایک ایسے سیاسی لیڈر کو جس سے اطالوی حکومت ڈرتی تھی اور قید کر کے اٹلی لے گئی تھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ احمدیت کو قبول کرے۔ اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ میں اپنے وطن میں واپس جا کر احمدیت کی اشاعت کی کوشش کروں گا۔

اسی سلسلہ میں ایک اَور نوجوان کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے جو مدینہ منورہ سے حال ہی میں یہاں اتفاق سے آئے ہیں۔ اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو وہی نوجوان ان علاقوں میں احمدیت کی اشاعت کا موجب بن جائے۔ وہ طالب علم ہیں ان کو تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حج کے لئے مکہ میں آیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں مزید تعلیم بھی حاصل کروں گا مگر وہاں مجھے خیال آیا کہ میں حنفی ہوں اس لئے اہلحدیث علماء سے نہ پڑھنا چاہیے اور میں نے ہندوستان آکر تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ جدہ پہنچے اور وہاں کے برطانوی قنصل سے کہا کہ ہندوستان پہنچنے کا کوئی انتظام کر دے۔ چنانچہ اس نے اپنے پاس سے بمبئی تک کا ٹکٹ لے دیا۔ بمبئی سے انہیں کسی نے مشورہ دیا کہ علم پڑھنا ہے تو لاہور جاؤ۔ وہ لاہور آئے تو وہاں کسی نے انہیں پیر جماعت علی شاہ صاحب کے پاس علی پور سیداں جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وہ وہاں گئے مگر پیر صاحب وہاں نہ تھے۔ وہ حیران تھے کہ اب کیا کریں۔ اور اس افسردگی کی حالت میں وہ ریلوے سٹیشن پر بیٹھے تھے کہ کوئی احمدی دوست وہاں آ گئے۔ ان سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے کہا کہ علم حاصل کرنا ہے تو میرے ساتھ قادیان چلو اور وہ ان کو قادیان لے آئے۔ ان کو احمدیت کا کوئی علم نہ تھا۔ جب علم ہوا تو انہوں نے کہا مجھے یاد آیا میرے والد کے نام ایک عربی رسالہ البشریٰ آیا کرتا تھا۔ وہ اسے مطالعہ کیا کرتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ ہندوستان جا کر اس تحریک کے متعلق علم حاصل کروں۔ مگر وہ فوت ہو گئے اور یہاں نہ آسکے۔ اب شاید اللہ تعالیٰ اُن کی خواہش کو ہی پورا کرنے کے لئے مجھے یہاں لے آیا ہے۔ وہ کل مجھ سے ملے اور بیعت بھی کرنا چاہتے تھے مگر میں نے کہا اس طرح بیعت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بیعت تو اُس وقت کرنی چاہیے جب اپنے نفس کو ہر قسم کی قربانیوں کے لئے تیار کر لیا جائے۔

(ز) پھر انہی دنوں اٹلی سے اطلاع ملی ہے کہ البانیہ کے چودہ پندرہ طلباء احمدیت کی طرف متوجہ ہیں اور لٹریچر کا مطالعہ کر رہے ہیں اور تحقیقات کر رہے ہیں۔ اِدھر اٹلی سے یہ اطلاع ملی اور اُدھر شملہ سے ریڈ کراس سوسائٹی نے اطلاع دی ہے کہ البانیہ کا ایک فوجی لفٹیننٹ جو جرمنی قید میں ہے اس نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کی کتاب اسے بھجوائی جائے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ البانیہ میں احمدیت کی رَو چلنے والی ہے۔ اس کے ساتھ جب یہ بات ملائی جائے کہ بادشاہ البانیہ کنگ زوغو 1 نے شمس صاحب سے خواہش کی ہے کہ ان کی واپسی پر وہ وہاں آئیں اور ان کے مہمان ٹھہریں تو اس تحریک کی اہمیت اَور بھی بڑھ جاتی ہے۔

(ح) انگلستان میں بھی ان دو ماہ میں چار انگریزوں نے اسلام قبول کیا ہے جو تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(ط) ان دو ماہ میں فوج سے بھی کافی بیعت کے خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں سے بعض کنگز کمیشنڈ آفیسر ہیں اور بعض دوسرے عہدیدار ہیں۔

(ی) اسی طرح کی بعض اور تحریکات بھی ہیں جن کو مَیں اِس وقت بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ تھوڑے دنوں میں جب وہ باتیں پختہ ہو جائیں گی تو ان کا اظہار کیا جا سکے گا۔ اسی سلسلہ میں ایک اَور بات یہ ہے کہ انہی دنوں ہمارے چار مبلغ ہندوستان سے باہر جا چکے ہیں۔ اور چھبیس اَور مبلغ باہر مختلف ممالک میں جانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ جس کے معنٰی یہ ہیں کہ تبلیغی حملہ ہونے ہی والا ہے۔ جوں جوں پاسپورٹ ملتے جائیں گے یہ لوگ روانہ ہوتے جائیں گے۔ اور اس طرح انشاء اللہ کئی ہزار میلوں میں تبلیغ کا میدان وسیع ہو جائے گا۔

گویا ایسے آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ فوجی محاورہ کے مطابق ہمارے لئے zero hour بالکل قریب ہے۔ جبکہ ہم لوگوں کے دلوں پر وسیع پیمانہ پر ایک تبلیغی حملہ کرنے والے ہیں۔ اِسی لئے میں نے جماعت کو نصیحت کی ہے کہ وہ اپنی طاقتوں کو ضائع نہ کرے اور انہیں سمیٹ کر رکھے تا وہ زیادہ سے زیادہ کارآمد ہو سکے۔ جیسا کہ گزشتہ سال اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام کیا تھا کہ "روزِ جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے۔" یہ تغیرات ایسے ہیں کہ پہلے بعض سال سال میں بھی

نہ ہوتے تھے۔ اور بعض تو دو دو چار چار سال میں نہ ہوتے تھے مگر اب اللہ تعالیٰ نے دو ماہ میں وہ تکمیل تک پہنچا دیے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی تغیرات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ پس ہمارا بھی فرض ہے کہ غیر معمولی قربانیوں کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ ایک دن تھا جب ہم تحریک جدید کی قربانیوں کو بڑا کہتے تھے مگر اب وہ وقت آنے والا ہے جب یہ قربانیاں ہیچ نظر آئیں گی۔

پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایک طرف تو تحریک جدید کے دفتر دوئم کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کریں۔ اِس وقت تک صرف چالیس ہزار روپیہ سالانہ کے وعدے آئے ہیں حالانکہ ضرورت اڑھائی لاکھ کی ہے۔ پس دوست زیادہ سے زیادہ اس دفتر میں شامل ہوں۔ بعض لوگ چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرف سے دو دو چار چار آنے یا آٹھ آنہ یا روپیہ دے کر ان کو شامل کرتے ہیں۔ مگر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بارہ سال سے کم عمر کے بچہ کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے کم عمر کے بچوں کو شامل کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ پورے انیس سال میں اُس کی طرف سے اُس کے والدین معمولی سی رقم داخل کرتے رہیں گے اور اسے خود آخر تک قربانی کرنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ اگر بارہ سال کے کسی لڑکے کو والدین شامل کریں تو پھر اگر وہ 21 سال کی عمر کا ہو کر بھی خود کمانے لگے تو دس سال تک خود بھی حصہ لینے کا موقع پا سکے گا۔ پس میں نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ 12 سال سے کم عمر کے کسی بچہ کو شامل نہ کیا جائے۔ ہاں ثواب کے طور پر والدین چاہیں تو اپنے بچوں کی طرف سے چندہ دے سکتے ہیں مگر تحریک جدید کے سپاہیوں میں ان کا شمار نہ ہو سکے گا۔ ہاں بارہ سال سے زیادہ عمر کے بچوں کو باقاعدہ شامل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ دس سال کا عرصہ خود قربانی کرنے کا پا سکتے ہیں۔ اگر چھوٹے چھوٹے بچوں کو ہی چند آنے لے کر شامل کر لیا جائے اور پانچ ہزار میں سے دو تین ہزار ایسے بچے ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ تحریک بالکل بے حیثیت ہو جائے گی۔ اور ان بچوں کی طرف سے دو دو چار چار آنہ چندہ دوسروں کی قربانیوں کو بھی چُھپا دے گا۔

تحریک جدید کے بعد وقف فنڈ کی تحریک ہے۔ اس میں اب تک ایک کروڑ چودہ لاکھ روپے کے وعدے آ چکے ہیں۔ چار سو کے قریب اَور وعدے بھی ہیں جن کی تفصیلات اب تک

نہیں ملیں۔ ان کو ملا کر شاید ڈیڑھ کروڑ کے وعدے ہو جائیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اس تحریک کو کم سے کم پانچ کروڑ تک پہنچایا جائے۔ اگر کسی وقت دو فیصدی کا بھی مطالبہ کیا جائے تو بھی آٹھ، دس لاکھ روپیہ وصول ہو سکے۔ بہر حال جماعت کے ہر دوست کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ امتحان کا وقت آگیا ہے اس لئے اپنے کو تیار رکھو۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کب تم میں سے ہر ایک کو بلایا جائے گا خواہ کوئی وقف ہو یا نہ ہو۔ جو وقف نہ ہوں گے اُنہیں اُن کی بیعت کی وجہ سے بلایا جائے گا کہ آگے آؤ۔ پس اپنے آپ کو اُس وقت کے لئے تیار کر لو ایسا نہ ہو کہ جب آواز بلند ہو تو کوئی شخص ایسا بھی ہو کہ امتحان میں پورا نہ اُتر سکے اور ارتداد یا منافقت کے گڑھے میں جا گرے۔

پس اچھی طرح سن لو کہ بلاوے کا وقت آرہا ہے بلکہ شاید آچکا ہے۔ گو قطعی طور پر تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آچکا ہے۔ مگر ایسے سامان ظاہر ہو رہے ہیں کہ جن سے یہ گمان غالب ہے کہ وہ وقت آچکا ہے یا بالکل قریب آرہا ہے۔ جب تمام مذاہب پر اسلام اور احمدیت کی طرف سے عام دھاوا بول دیا جائے گا اور شیطان اور خدا تعالیٰ کے فرشتوں میں آخری فیصلہ کُن لڑائی ہو گی۔ خوش قسمت ہوں گے وہ جن کو اِس لڑائی میں اپنی جان اور اپنا مال قربان کرنے کا موقع ملے اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور قُرب کے اعلیٰ مقام حاصل کر سکیں۔ اور بد قسمت ہے وہ جو اِس نایاب اور نادر موقع کو کھو دے اور اعلیٰ درجہ کے قُرب کا مقام پانے سے محروم رہے۔ جس کے انتظار میں اس دنیا کے صلحاء ہزاروں سال سے بیتاب تھے۔"

(الفضل مورخہ 14 مارچ 1945ء)

1: **کنگ زوغو : احمد زوغو** (1895ء-1961ء) شاہ البانیا 1922ء تا 1924ء البانیا کے وزیرِ اعظم بنے اور 1925ء میں آمر مطلق کا منصب حاصل کر لیا۔ 1928ء میں بادشاہی کا اعلان کیا (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول صفحہ 73 شیخ غلام علی اینڈ سنز چوک انار کلی لاہور)